دوسرا باب

تعزیراتِ اسلام

ثبوتِ سرقہ کے ذرائع

از جناب مولانا قاضی بشیر احمد صاحب

(۳)

دفعہ ۴ | سرقہ موجبِ حد کا ثبوت ملزم کے اقرار یا شہادت کے ذریعہ سے ہوگا۔[۱]

فصل اول، اقرار کے بیان میں

دفعہ ۵ | ا۔ اقرار کا اعتبار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ملزم قاضی کے سامنے کم از کم ایک مرتبہ بغیر جبر و تشدد کے اقرار کرے[۲]۔

ب۔ قاضی کے لیے بہتر یہ ہے کہ مُقِر کو اقرار سے رجوع کرنے کی تلقین کرے۔

ج۔ اقرار سے رجوع حد کو ساقط کر دیتا ہے خواہ حد کے اجراء کے دوران ہی میں کرے۔ لیکن مال کے حق میں اقرار سے رجوع مال کو ساقط نہیں کرے گا[۳] البتہ اقرار سے رجوع کرنے پر اس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

---

[۱] تقضی بالقطع ببینۃ او اقرار۔ تنویر الابصار ص ۲۰۳ ج ۳ و عالمگیری ص ۸۲، ج ۲

[۲] در مختار

[۳] الرجوع بعد الاقرار انما لا یصح فی حقوق العباد المبسوط للسرخسی ص ۴۹ جلد ۹ مطبوعہ مصر۔ نیز فان رجع فی خلال اقامۃ الحد فقال کذبت او ما زنیت او رجعت

(باقی بر صفحہ ۲۵)

۵- اقرار بالجبر موجبِ قطع نہیں لیکن موجبِ مال ہے۔

۶- قاضی مُقِر سے یہ سوال کرے گا کہ ۱- چوری کس کو کہتے ہیں؟ ۲- تو نے کس شخص کی چوری کی ہے؟ ۳- کیا جنس چرائی ہے؟ ۴- چوری کیسے کی؟ ۵- کہاں سے کی؟ ۶- کتنی کی؟[۱]

اگر مالِ مسروقہ مجلس قضاء میں موجود ہو تو قاضی کا صرف اُس کو دیکھنا کافی ہوگا۔ جنس اور مقدار سے سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوگی[۲]

مذکورۂ بالا پانچوں اجزا کی تشریحات حسبِ ترتیبِ مذکورہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱- لغت میں اقرار کے معنی اثبات کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں اپنے اُوپر دوسرے کے حق کی خبر دینے کو اقرار کہا جاتا ہے[۳]

فقہاء کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا قطع کے لیے ایک مرتبہ اقرار کافی ہے یا اقرار کے لیے تکرار کا ہونا ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اکثر علماء کے نزدیک ایک مرتبہ ملزم کا اقرار موجبِ قطع ہے۔ امام ابویوسفؒ کے پہلے قول کے مطابق دو مرتبہ اقرار کرنا ضروری تھا۔ مگر اس سے انہوں نے رجوع کر کے جمہور کی تائید کر دی تھی[۴]۔ امام احمدؒ اور امام زُفرؒ کے نزدیک ایک مرتبہ سے زائد اقرار کرنا ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہؒ وغیرہ حضرات کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مروی حدیث ہے جس میں مذکور

(بقیہ صفحہ سابقہ) سقط ما بقی من الحد عنہ وکذٰلک السارق وشارب الخمر۔ مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۱۴۱ ج ۷ مطبوعہ ملتان۔ [۵] المحلی ج ۸ ص ۲۵۰۔

حاشیہ صفحہ ھذا۔ [۱] شامی و عالمگیری [۲] عالمگیری ص ۸۴، ج ۲

[۳] شامی باب الاقرار۔

[۴] یجب القطع باقرارہ مرۃ واحدۃ، ھذا عندھما وقال ابویوسفؒ لا یقطع الا باقرارہ مرتین فی مجلسین مختلفین وروی عنہ الرجوع الی قولھما (الجوھرۃ النیرۃ ص ۲۵۷ ج ۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان و درمختار ص ۲۰۰ ج ۳

ہے کہ سارق نے ایک مرتبہ اقرار کیا کہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعِ ید کا حکم صادر فرمایا[1]۔

امام احمدؒ اور امام زفرؒ حضرت ابوامیہ مخزومی کی مروی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اس میں مذکور ہے کہ آپؐ نے قطع کا حکم دو مرتبہ کے اقرار کے بعد دیا ہے[2]۔

ابوامیہ مخزومی کی حدیث سے ابوحنیفہؒ وغیرہ کے مسلک پہ کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہوئی تھی کہ سارق نے پہلے بعض صحابۂ کرام کے سامنے اپنے جرمِ سرقہ کا اقرار کیا تھا، اس کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تو یہ گمان نہیں کرتا کہ اس نے چوری کی ہے۔ اس پر سارق نے خود اقرار کر لیا کہ "ہاں یا رسول اللہ میں نے چوری کی ہے"۔ چنانچہ آپؐ نے اس پہ حد نافذ کرنے کا حکم دے دیا[3]۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ موجبِ قطع کے لیے قاضی کے سامنے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے، اس لیے کہ سارق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے پہلے جو اقرار کیا تھا اس کو عدالت میں اقرار نہیں کہا جا سکتا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اقرار وہی معتبر ہوگا جو قاضی کے سامنے کیا جائے۔

ب - ابوامیہؓ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ قاضی مُقِر کو اقرار سے رجوع کرنے کی تلقین کرے اس کی مزید تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لونڈی لائی گئی جس نے چوری کی تھی۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو نے چوری کی ہے؟ کہہ دے کہ نہیں۔ چنانچہ اس نے کہہ دیا کہ نہیں، اور آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا[4]۔ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارق سے پوچھا کہ کیا تو نے چوری کی ہے؟ کہہ دے کہ نہیں۔ اس نے کہہ دیا کہ نہیں تو آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا[5]۔

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۱۷۳ ج ۴ مطبوعہ ملتان   [2] ابوداؤد ص ۲۶۲ جلد ۲

[3] مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۱۷۲ ج ۷

[4] رواہ البیہقی بحوالہ سبل السلام علی متن بلوغ المرام لابن الحجر العسقلانی ص ۳، جلد ۴ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ بمصر۔   [5] ایضاً

ج - مذکورۂ بالا روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مُقِر جرم موجب حد کے اقرار سے رجوع کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی، کیونکہ رجوع کرنے سے جرم کے وقوع میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے حد ساقط ہو جاتی ہے - حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر رجوع اجراء حد کے دوران کیا جائے تو اس سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ اُن کا واقعہ یہ ہے کہ جب انہوں نے جرم زنا کے مرتکب ہونے کا اقرار کر لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا - جب اُن پر حد جاری ہونے لگی تو درمیان میں وہ بھاگ گئے تھے - مگر اس کے باوجود ان کو رجم کر دیا گیا - اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ حد کے اجراء کے دوران بھاگ گئے تھے اور اس کے باوجود اُن کو رجم کیا گیا تو آپ نے رجم کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ " هلا خليتم سبيله " یعنی تم لوگوں نے اُسے جانے کیوں نہ دیا ؟ دوسری روایت میں ہے کہ " تم نے اُسے چھوڑ کیوں نہیں دیا[1] "

لیکن چونکہ اُن کا رجوع کرنا صراحتہً نہ تھا اور بھاگنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ یہ درد سے بھاگے ہوں، اس لیے ان کو چھوڑا نہیں گیا - بلکہ رجم کر دیا گیا[2] - مگر اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حد کے اجراء کے درمیان میں بھی اگر مقر رجوع کر لے تو بقیہ حد ساقط ہو جائے گی - یہ اصول حد سرقہ اور حد خمر سب کو شامل ہے[3]۔

اگر سارق نے اقرار سے رجوع کر لیا تو اس سے حد اگرچہ ساقط ہو جائے گی لیکن مال مسروقہ قابضِ مال کو واپس کرنا پڑے گا - بشرطیکہ اس کے پاس موجود ہو - ورنہ اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا - کیونکہ مال کے حق میں اقرار سے رجوع معتبر نہ ہوگا[4]

د - پیچھے گذر چکا ہے کہ شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے اس لیے اگر سارق کو پیٹا جائے جس پر وہ جرم موجبِ حد کا اقرار کر لے تو یہ جبری اقرار کہلائے گا جو موجب حد نہیں ہے - البتہ پٹائی سے اگر وہ مال کا اقرار کر لے تو اس کو مال یا اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا[5]۔

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۱۴۱ ج ۷ ، مطبوعہ ملتان [2] ایضاً

[3] كذلك السارق وشارب الخمر - مرقات ص ایضاً

[4] المبسوط للسرخسی ص ۱۹۱ ج ۹

[5] (قوله بصحة اقراره لا بهامكرها) ای فی حق الضمان لا فی حق القطع شامی ۲۰۱ ج ۳ -

سارق کو تہمتِ سرقہ کی وجہ سے مارنے اور اس پر جبر و تشدد کرنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ متقدمین فقہا کے نزدیک سارق کو محض تہمت سرقہ کی وجہ سے مارنا پیٹنا جائز نہیں ہے۔ جبکہ متاخرین فقہا کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ اس کے بارے میں جرم کا غلبۂ ظن حاصل ہو جائے اور یہ کہ مار اتنی سخت نہ دی جائے جس سے کہ ہڈی ظاہر ہو جائے۔

درحقیقت ان حضرات کا اختلاف اپنے اپنے زمانے کے حالات کے پیش نظر ہے۔ متقدمین فقہاء کا زمانہ نسبتہ خیر اور صلاح کا زمانہ تھا جس میں جھوٹ کا وجود تقریباً نایاب تھا۔ اس لیے انہوں نے محض الزام سرقہ سے ملزم کو پیٹنا جائز نہیں رکھا۔ اور متاخرین فقہا کے زمانہ میں لوگوں کی اخلاقی حالت پست ہو گئی۔ نیکی اور سچائی کا وجود نسبتہً کم ہو گیا۔ اس لیے انہوں نے الزام پر پیٹنے کو جائز رکھا۔ ورنہ گواہوں کے ذریعہ چوری کا ثبوت مشکل ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ بعض معاہدین کی پٹائی کریں۔ اس لیے کہ انہوں نے حیی بن اخطب یہودی کا خزانہ چھپایا تھا حالانکہ اسی مال پر معاہدہ ہوا تھا۔ اس پر آپ نے ان کو پٹیا۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں فساد کی کثرت کی وجہ سے متاخرین کے فتوے پر عمل کرنا چاہیے[1]

دوسری فصل (شہادت کے بیان میں)

اس فصل میں قانون شہادت کے جملہ احکام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے بلکہ سرقہ سے متعلق خصوصی احکام کا ذکر کیا گیا ہے جن شرائطِ شہادت کا جملہ مقدمات میں اعتبار کیا جاتا ہے اُن کا اعتبار یہاں بھی کیا جائے گا۔

دفعہ ۶ | ۱۔ شہادت دیتے وقت شاہد کے لیے ضروری ہے کہ لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں۔ اگر اس نے یوں کہہ دیا کہ "میں گواہی دیتا ہوں" تو یہ بھی صحیح ہے۔

تشریح:- گواہی لفظ شہادت کے ساتھ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر جو خصوصیات ہیں وہ کسی دوسرے لفظ میں موجود نہیں ہیں۔ اس کی تین اہم خصوصیات یہ ہیں:-

---

[1] شامی ص ۲۰۱، ۲۰۲ ج ۳ مطبوعہ بولاق مصر۔

۱۔ یہ کہ اس لفظ کے اندر مشاہدہ یعنی آنکھوں سے دیکھنے کا معنی پایا جاتا ہے جو گواہی کی قبولیت کے لیے ضروری ہے۔ گویا شاہد یوں کہہ رہا ہے کہ میں ایسی چیز کی گواہی دیتا ہوں جس کو میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔

۲۔ یہ کہ اس کے اندر قسم کے معنی بھی پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ لفظ قسم کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً عربی محاورات میں کہا جاتا ہے "اَشْھَدُ بِاللہِ لَقَدْ کَانَ کَذَا" یعنی "میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ بات اس طرح تھی"۔

۳۔ یہ کہ اس کے اندر حال کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ یعنی "میں شہادت دیتا ہوں" زمانۂ حال پر دلالت کرتا ہے۔ اگر شاہد نے زمانہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا مثلاً یوں کہا کہ "میں نے گواہی دی"، تو اس کا اعتبار شہادت کے اندر نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "اَشْھَدُ" "میں شہادت دیتا ہوں"۔ مشاہدہ، قسم اور حال تینوں کو متضمن ہے اس لیے اس لفظ کے علاوہ کسی اور سے شہادت درست نہیں۔[1]

دفعہ ۷ | سرقہ، قطع الطریق (رہزنی) اور قصاص کے اندر کم از کم دو عادل مردوں کی شہادت ضروری ہوگی۔ ان مقدمات میں عورتوں کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔[2]

البتہ حدود اور قصاص کے علاوہ دیگر مقدمات میں عورتوں کی گواہی قابلِ قبول ہوگی۔ بشرطیکہ عورتوں کے ساتھ کم از کم ایک مرد بھی گواہ ہو۔ اور عورتیں دو سے کم نہ ہوں۔[3]

تشریح:۔ حدود اور قصاص کی سزائیں بہ نسبت دوسرے جرائم کی سزاؤں کے زیادہ سخت ہیں۔ اس لیے ان کے ثبوت میں بھی سختی کی گئی ہے۔ زنا کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے لہذا اس کے ثبوت میں اور زیادہ سختی کی گئی ہے کہ چار یعنی مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ باقی حدود کی سزاؤں میں بھی سختی ہے مگر اس سے کم ہے تو اُن میں صرف مردوں کی گواہی قبول کی گئی ہے۔ لیکن عورتوں کی گواہی کو ان مقدمات میں قبول نہیں کیا گیا۔ اس سے

---

[1] رد المحتار کتاب الشہادت ص ۳۸۵ ج ۴

[2] اخبرنا عبد الرزاق عن سفیان فی رجل وامرأتین شھدوا علی رجل انہ سرق ثوبا ثمنہ عشرون درھما قال نجیز شھادتھم فی المال، ولا نقطعہ۔ مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۱۸ مطبوعہ بیروت۔ وفی الشامیہ۔ الذکورۃ فی الشھادۃ فی الحد والقصاص ص ۳۸۵ ج ۴۔

[3] ھدایۃ کتاب الشھادۃ ص ۱۵۴ ج ۲ مطبوعہ کلام کمپنی کراچی۔

بھی ثبوت میں شدت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ حضرت زہریؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آپ کے دونوں خلفاء کے بعد تک سنت یہ چلی آرہی ہے کہ حدود اور قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی کو قبول نہیں کیا گیا۔[1]

دفعہ ۳ | گواہوں کا تزکیہ۔

ا۔ جب گواہ گواہی دے چکیں تو قاضی کے لیے ضروری ہوگا کہ ان کا چال چلن خفیہ طریقے سے معلوم کرے بشرطیکہ قاضی ان کے چال چلن سے ناواقف ہو۔ اگر گواہ از روئے شرع معتبر ثابت ہوں تو ان کی گواہی پر فیصلہ صادر کر دے۔[2]

ب۔ جن گواہوں کے حالات قاضی کسی دوسرے مقدمہ میں معلوم کر چکا ہو۔ اگر وہی گواہ اسی قاضی کے سامنے کسی اور مقدمہ میں شہادت کے لیے حاضر ہوں تو ان کے حالات دوبارہ قاضی معلوم نہیں کرے گا بشرطیکہ چھ ماہ کے اندر حاضر ہوئے ہوں، ورنہ دوبارہ ان کے حالات معلوم کرے گا۔[3]

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ ۔ اس آیت سے واضح ہے کہ گواہ کا "مرضی" یعنی عادل ہونا ضروری ہے جیسا کہ دوسری آیت میں صراحتاً فرمایا۔ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدود اور قصاص کے مقدمات میں گواہوں کا چال چلن (تزکیہ) معلوم کرنا ضروری ہے۔ باقی مقدمات میں اگر فریق مخالف گواہوں پر کوئی عیب لگائے تو گواہوں کا تزکیہ کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک تمام مقدمات میں گواہوں کا تزکیہ کرنا ضروری ہے اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔[4]

قاضی کے لیے ضروری ہوگا کہ جب گواہ گواہی دے چکیں تو ان کا تزکیہ کرے۔ ان کے بیانات سے قبل تزکیہ نہ کرے۔ کیونکہ اس طرح سے مسلمان کی عیب چینی بلا ضرورت ہوگی جو ناجائز ہے۔ چنانچہ ایک مقدمہ

---

[1] الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ ص ۱۵۵ کتاب الشھادۃ۔

[2] در مختار ص ۳۸۸ ج ۴ [3] مجلۃ الاحکام العدلیہ۔

[4] ھدایۃ ج ۳ ص ۱۵۷ و شامی ص ۳۸۸ ج ۴ ۔

میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو گواہ حاضر ہوئے اور گواہی دی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا "کہ میں تم کو نہیں جانتا اور میرا نہ جاننا تم کو کچھ نقصان بھی نہیں دیتا۔ تم ایسے آدمی کو میرے پاس لاؤ جو تم دونوں کو جانتا ہو۔ اس پر وہ ایک آدمی کو آپ کے پاس لائے۔ آپؓ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے ان کو کیسا پایا۔ اس نے کہا نیک اور امانت دار۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کیا تم ان کے پڑوسی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؓ نے فرمایا کیا تم نے کبھی ان کے ساتھ سفر کیا ہے جس میں لوگوں کے اخلاق نکھر کر سامنے آتے ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؓ نے فرمایا پھر تو تم ان کو نہیں جانتے۔ اس کے بعد آپؓ نے گواہوں سے کہا کہ تم ایسے آدمی کو لاؤ جو تم کو جانتا ہو [1]

اس واقعہ سے چند امور معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ گواہوں کا تزکیہ اُن کے بیانات سننے کے بعد کیا جائے گا۔

۲۔ یہ کہ اُن کا تزکیہ اُن کے پڑوسیوں اور اُن کی سوسائٹی کے افراد کے ذریعے سے کیا جائے گا۔

۳۔ گواہوں کے تزکیہ میں صرف ان کے "عبادتی" پہلو کو ہی نہیں دیکھا جائے گا بلکہ ان کے معاملات کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔

۴۔ اگر گواہ عادل یعنی شرعاً قابلِ اعتبار ثابت نہ ہوں تو اُن کی گواہی کو مسترد کیا جائے گا۔

۵۔ گواہوں کا تزکیہ کرنے کے لیے ایک آدمی کافی ہے۔

۶۔ تزکیہ کرنے والا ایسا ہو جو گواہوں کے ظاہر و باطن سے پہلے سے واقف ہو۔ اس لیے کہ صحیح معنی میں وہی گواہوں کے کردار کا صحیح نقشہ پیش کر سکتا ہے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تزکیہ علانیہ طور پر کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ قاضی کے سامنے مزکی گواہوں کا تزکیہ کرے۔ مگر فقہا نے فرمایا کہ وہ زمانہ خیر و صلاح کا تھا۔ اُس زمانہ میں اس طرح کے تزکیہ سے کوئی حرج لازم نہیں آتا تھا۔ مگر آج کل یہ صورت بہتر نہیں ہے، اس لیے کہ اس طرح کے تزکیہ سے یہ قوی اندیشہ ہے کہ گواہ تزکیہ کرنے والے کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دے۔ اس لیے اس دور میں بہتر یہ ہے کہ

---

[1] اعلاء السنن ص ۱۳۸ ج ۱۵ و المغنی والشرح الکبیر ص ۴۵۰ ج ۱۱۔ نیز دیکھیے المغنی ص ۴۴۰، ۴۴۱ ج ۱۱۔

خفیہ طور پر تزکیہ کیا جائے۔ چنانچہ فتویٰ اسی پر ہے۔[1]

خفیہ تزکیہ کا طریقہ:۔ خفیہ تزکیہ ان سوال ناموں کے ذریعہ ہوگا جن کو فقہا کی اصطلاح میں مستورہ کہا جاتا ہے۔

اس کی صورت یہ ہوگی کہ حاکم ایک کاغذ پر مدعی، مدعا علیہ اور دعویٰ ہے، وہ لکھے گا اور اس کے بعد شاہدوں کے نام، اُن کے باپ دادا کے نام، اُن کی سکونت اور اُن کے حلیے، اور بہت مشہور لوگ ہیں تو اُن کے نام اور اُن کی شہرت کی صفت لکھنا ہی کافی ہوگا۔ غرض یہ کہ وہ سب کچھ لکھ دے گا جس سے یہ پہچان لیے جائیں اور التباس باقی نہ رہے۔

اس کے بعد اس کاغذ کو لفافے میں بند کر کے اس پر مہر لگا دے گا۔ جن لوگوں کو تزکیہ کے لیے منتخب کیا جائے گا۔ اُن کے پاس یہ لفافہ بھیج دے گا۔ وہ کھول کر اُسے پڑھیں گے اور ہر گواہ کے نام کے نیچے اگر وہ عادل ہوں تو لکھیں گے۔ عادل، مقبول الشہادۃ۔ اگر عادل نہ ہوں تو لکھیں گے۔ یہ عادل نہیں ہے اور اس کے نیچے اپنے دستخط کر کے پھر لفافے کو بند کر کے اپنی مہر لگا کر حاکم کو واپس کر دیں گے۔ یہ سب کچھ انتہائی راز سے کیا جائے گا۔ لفافہ لانے اور لے جانے والے چپراسی یا کسی کو بھی اس کی اطلاع نہ ہونے دی جائے گی۔

اگر مستورہ حاکم کے پاس مہر زدہ واپس آ جائے اور اس پر کچھ نہ لکھا ہو، نہ یہ لکھا ہو کہ عادل اور مقبول الشہادۃ ہیں اور نہ یہ لکھا ہو کہ یہ عادل نہیں ہیں یا لا معلوم، مجہول لکھا ہو۔ واضح طور پر یا اشارہ سے کوئی نقص ظاہر نہ کیا ہو تو حاکم اُن کی شہادتیں قبول نہیں کرے گا۔

اگر تزکیہ کرنے والے دو مرد ہوں تو زیادہ بہتر ہے ورنہ ایک بھی کافی ہے۔[2]

دفعہ ۹ | اگر شاہد شہادت دینے کے بعد مر جائیں یا غیر حاضر ہو جائیں تو قاضی کو اختیار حاصل ہے کہ ان کا تزکیہ کرے اور اُن کی شہادتوں پر فیصلہ کر دے۔[3]

دفعہ ۱۰ | سرقہ اور دیگر حدود کے مقدمات میں گواہی پر گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ البتہ مالی حقوق کے بارے میں قبول کیا جائے گا۔[4]

---

[1] درمختار مع الشامی ص ۸۸ ج ۴ مطبوعہ بولاق مصر۔ [2] مجلۃ الاحکام العدلیہ۔ [3] ایضاً

[4] عالمگیری ص ۴۸۵، ۴۸۴ ج ۲ و بدائع الصنائع ص ۸۱ ج ۷، مطبوعہ بیروت۔

دفعہ ۱۱۱ | قاضی گواہوں سے پوچھے گا کہ ملزم نے سرقہ کب کیا ہے؟ اس کے علاوہ باقی وہی سوالات گواہوں سے کرے گا جو اقرار کرنے والے سے کیے جاتے ہیں۔[۱]

شہادت کی میعاد

دفعہ ۱۱۲ | ۱۔ سرقہ، زنا اور شرب خمر کے مقدمات میں شہادت کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ شاہد واقعہ کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر قاضی کے پاس واقعہ کی شہادت دے۔ البتہ اگر شاہد اس عرصہ کے اندر کسی معقول عذر کی بنیاد پر شہادت نہ دے سکے، مثلاً یہ کہ قاضی ایک ماہ کی دُوری پر رہتا ہو یا شاہد چلنے سے معذور ہو تو اس طرح کی تاخیر قبول شہادت میں مانع نہ ہوگی۔[۲]

ب۔ تمادی المیعاد شہادت قذف، قصاص اور مالی حقوق کے بارے میں مقبول ہوگی۔[۳]

تشریح:۔ عام مقدمات میں شہادت دینے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سے عدالت میں دعویٰ دائر ہو چکا ہو مگر خالص حق اللہ کے مقدمات میں یعنی سرقہ، زنا اور شرب خمر میں شہادت کی ادائیگی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ دعویٰ پہلے دائر ہو چکا ہو۔ لہٰذا ان مقدمات میں شاہد کو دونوں طرح کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ واقعہ کے فوراً بعد عدالت میں حاضر ہو کر واقعہ کی گواہی دے اور دوسرا یہ کہ وہ مجرم کی پردہ پوشی کرے جیسا کہ حدیث میں اس کی فضیلت بھی وارد ہے۔ تو اگر شاہد نے واقعہ کے بعد پردہ پوشی کی خاطر شہادت نہ دی مگر کچھ عرصہ کے بعد اس نے عدالت میں حاضر ہو کر شہادت دے دی تو یہ شہادت قبول نہ ہوگی اس لیے کہ اب شبہ پیدا ہوگا کہ شہادت ایک مرتبہ جب اس نے ترک کر دی تو اب دوبارہ اس پر آمادگی کینہ، حسد اور دنیاوی عداوت کی بنا پر ہوئی ہے۔ اسی شبہ کی وجہ سے شہادت قبول نہ ہوگی اور اگر اس نے بغیر عذر کے تاخیر کی تو اس سے شاہد فاسق ہو گیا۔ لہٰذا اب اگر وہ شہادت دے تو قبول نہ ہوگی۔[۴]

۱۔ درمختار ص ۲۰۰ ج ۳

۲۔ بدائع الصنائع ص ۸۱ ج ۷ مطبوعہ بیروت۔ و ہدایہ ص ۵۲۰-۵۲۱ ج ۲

۳۔ بدائع الصنائع ص ۸۱ ج ۷

۴۔ ہدایہ ص ۵۲۱ ج ۲

احناف کے نزدیک مذکورہ مقدمات میں شہادت کی مدت ایک ماہ تک ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک شہادت کی ادائیگی کے لیے کوئی حد متعین نہیں ہے۔ وہ ان مقدمات کو حقوق العباد کے مقدمات پہ قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح ان مقدمات میں شہادت کی مدت متعین نہیں ہے اسی طرح مذکورہ مقدمات میں بھی مدت کا تعین صحیح نہیں ہے۔ مگر احناف کے نزدیک یہ قیاس صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حقوق العباد اور حقوق اللہ کے درمیان کافی فرق ہے اور مذکورہ مقدمات خالص حقوق اللہ میں شامل ہیں۔

پھر احنافؒ کے درمیان مدت کی تعیین میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تاخیر کی مدت کا تعین قاضی کی صوابدید پہ ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک ان مقدمات میں ایک ماہ تک کی مدت متعین ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت ان کی تائید کرتی ہے اور اسی پہ فتویٰ بھی ہے[۱]

دفعہ ۱۳ | حلف سے ملزم کا انکار موجب قطع نہیں ہے مگر موجب مال ہے۔

تشریح:۔ اگر مدعی کے پاس گواہ موجود نہ ہوں تو مدعا علیہ پہ حلف لازم آئے گا۔ اگر مدعا علیہ حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو اس انکار سے اس پہ مال کی ادائیگی لازم ہو جائے گی۔ اس لیے کہ حلف سے انکار کرنا درحقیقت معنوی طور پر الزام کا اقرار کرنا ہے جس سے مال کا ثبوت ہوگا۔ لیکن چونکہ صراحتہً اقرار جرم نہیں ہے اس لیے اس پہ حد نافذ نہ ہوگی[۲]

(باقی)

---

[۱] ہدایہ ص ۵۲۱ ج ۲ کتاب الحدود نیز دیکھیے العنایہ علی الہدایۃ حاشیہ ۵ ص ۵۲۱ ج ۲۔

[۲] عالمگیری ص ۸۴ ج ۲ و درمختار ص ۲۰۱ ج ۳۔